ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اسد محمد خان کے افسانے: چند فنی لوازمات

Asad Muhammad Khan's Short Stories: A Few Technical Qualities

Aftab Ahamd.

Lecturer Urdu

Govt.Associate College 170/J.B, Jhang.

2. **Huma Nawaz,**

PhD Scholar Department of Urdu GC University Lahore

3. **Muhammad Umar,**

Lecturer Government College Gul Abad (Lower Dir)

Abstract

One of the great qualities of Asad Muhammad Khan is that he distills such meanings from history for human insight which helps to understand human nature on the one hand and on the other hand the appearance of the kings, the interested parties, the conspirators and those who adorn the jalsa and processions. The behind-the-scenes or parallelisms of motives make the hidden desires an intuitive revelation. Asad Muhammad Khan has written many important fictions like "Aik sanjeeda De-Tectio Story", "Ghari bhar Ki Rifaqat", "Narbada", "Raghoba aor Tarikh-e-Farishta" and "Nadi aor Aadmi". The title of the first mentioned is quite frivolous, but this action is consistent with Asad Muhammad Khan's concept of cursing Nastaliqism and seriousness, but it is ambition, deception, conspiracy, ruthlessness, awareness and ignorance in the game of power. It is a fiction based on the dramatization of all the elements of Aziz Ahmad's "Jab Aankhen Aahan Posh Howen" and "Khadang-e-Jasta" that uses history, imagination and contemporary consciousness to create insights. In the same way, in the "Ghari bhar Ki Rifaqat" (Burj-e-Khumoshan)", a typical saying in travel, there is a time when the horse takes over the reins of its rider. In which the point is highlighted that closeness to the conspirator's gift can also paint you in his own color. "Raghoba aor Tarikh-e-Ferishta" is an amazing legend in this regard, in which history, civilization, Sufism and human science have been combined with the creative imagination of the author of the story to create a memorable Urdu legend, whose atmosphere and creativity have been created. The language shows the individuality of Asad Muhammad Khan.

Key Words:

Asad Muhammad Khan, "Aik sanjeeda De-Tectio Story", "Ghari bhar Ki Rifaqat", "Narbada", "Raghoba aor Tarikh-e-Farishta", "Nadi aor Aadmi", Nastaliqism and seriousness, Aziz Ahmad, "Jab Aankhen Aahan Posh Howen" and "Khadang-e-Jasta", Burj-e-Khumoshan, history, civilization, Sufism.

اسد محمد خان کے افسانوں کی فنی خصوصیات کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ ذخیرہ الفاظ

۲۔ مختلف زمانوں اور جگہوں کی زبان

۳۔ کرداروں کی زبان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

۴۔روئداد (Description)کی زبان

۵۔ راوی کی زبان

۶۔ شعری وسائل(تشبیہ،استعارہ،پیکر، تمثیل،علامت)

ہر شخص اپنے جذبات وخیالات کے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ (Medium) اختیار کرتا ہے۔ رولا بارتھ لکھتا ہے:

> ''بیانیہ کے اظہار کے وسیلوں میں تحریری یا غیر تحریری مدلل و مربوط زبان ساکت یا متحرک تصاویر، جسمانی حرکات وسکنات، یا پھر ان سب کی آمیزش سے بنا کوئی وسیلہ اظہار شامل ہے۔ بیانیہ اسطور، روایتی قصوں، حکایتوں، داستانوں، مختصر افسانوں، رزمیوں، تاریخ، المیہ، ڈراما (تجسس ڈراما)، طربیہ، مائم (Pantomime)، مصوری (مثلاً کارپاکسیو کی پینٹنگ، سینٹ ارسلا کو یاد کریں)، دھندلے شیشوں کی کھڑکی، سنیما، کامکس، مقامی خبروں اور گفتگو سب میں موجود ہوتا ہے۔ یہ ہمیئوں کے لامتناہی تنوع میں ہوتا ہی ہے، اس کے علاوہ بیانیہ ہر عہد میں، ہر مقام پر اور ہر سماج میں وجود رکھتا ہے۔ جب سے عالم انسان کی تاریخ شروع ہوئی اس کی ابتداء تب ہی سے ہے؛ اور کہیں بھی کسی بھی زمانے میں کوئی ایسا سماج نہیں تھا جو بیانیہ سے مبرا ہو۔''(۱)

اظہار کے مذکورہ وسیلوں میں زبان اظہار خیال کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ زبان لفظوں کا ایک نظام ہے۔ لفظ حروف/اصوات کا ایک بامعنی مرکب ہے اور الفاظ کا ایک بامعنی سلسلہ جملہ کی تخلیق کرتا ہے۔ اس طرح جملوں کی ترتیب و تنظیم سے ایک بامعنی متن وجود میں آتا ہے۔ ساسیور کے تصور لسان کے مطابق:

> ''زبان نشانات کا ایک نظام ہے اور اس کے اجزاء باہم افتراقی ربط سے قائم ہیں۔ نیز یہ کہ دال اور مدلول کا ربط فطری/خلقی نہیں بلکہ من مانا یعنی ایک لسانی معاشرہ کا قائم کیا ہوا ہے۔''(۲)

گویا زبان کسی لسانی معاشرہ کے ذریعے تسلیم شدہ ایک صوتی نظام ہے۔ اس لحاظ سے اس کی پہلی منزل بول چال کی زبان ہے۔ اس کے بعد تحریر کی باری آتی ہے۔ اظہار کے اس وسیلہ تحریری زبان کو ادب تک مخصوص کرتے ہیں تو اظہارِ خیال کے دو طریقے ظاہر ہوتے ہیں، شاعری اور نثر۔ بعد ازاں نثر کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تخلیقی نثر اور غیر تخلیقی نثر۔ تخلیقی نثر کی تشکیل ایک طرح کا جمالیاتی اظہار ہے۔ ہر تخلیق کار اپنی قوت اختراع اور تخلیقی شعور کے مطابق اپنا جمالیاتی اظہار تشکیل دیتا ہے۔ اب اگر اس متنوع اسالیب اظہار کے درمیان کوئی اقتداری امتیاز قائم کرنا چاہیں تو اس کی بنیاد لازماً مصنف کی زبان ہی ہو گی۔ لیکن کس تخلیق کار کی زبان زیادہ پُر قوت اور تخلیقی ہو گی اس کا اندازہ پروفیسر قاضی افضال حسین کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

> ''لسانی متن اجزاء کے درمیان رشتوں کا ایک نظام ہے۔ جو متن جس قدر اپنے اجزاء کے درمیان رشتے ایجاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ اسی قدر ادبی ہو گا۔''(۳)

متن کی تشکیل کا یہ سلسلہ تخلیق کار کے اپنے ذخیرہ الفاظ کی نوعیت سے شروع ہوتا ہے۔ ہر تخلیق کار کے پاس الفاظ کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے جسے وہ اپنے تخلیقی شعور کے موزوں پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ زبان کے استعمال کا یہی طریقہ آہستہ آہستہ اس کا اسلوب کہلانے لگتا ہے۔ اسد محمد خاں کے افسانوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زبان کے تخلیقی استعمال پر انہیں حد درجہ قدرت حاصل ہے۔ پلاٹ کی تعمیر، کردار سازی، روئداد نگاری، راوی کی تشکیل اور زبان کے تخلیقی اظہار پر گرفت کے سبب ادب میں ان کی انفرادی حیثیت مسلم ہوتی ہے۔

اسد صاحب کے افسانوں کی زبان کا مطالعہ کرنے کے لیے اسے درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ذخیرہ الفاظ

۲۔ مختلف زمانوں اور جگہوں کی زبان

۳۔ کرداروں کی زبان

۴۔روئداد (Description) کی زبان

۵۔راوی کی زبان

۶۔ شعری وسائل (تشبیہ،استعارہ، پیکر تمثیل،علامت)

اسد محمد خاں ایک مشاق اور باشعور افسانہ نگار ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں موضوع کے اعتبار سے موزوں زبان کا استعمال کرتے ہیں، جس سے تحریر میں سلاست و روانی قائم رہتی ہے۔ان کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے۔ وہ اپنے موضوع، کردار، جذبات و کیفیات کے لحاظ سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں موقع و محل کے مطابق اس میں ہیئتی یا معنوی تبدیلیاں کرتے جاتے ہیں۔

افسانہ نگار الفاظ کے استعمال سے تو معنی کی مختلف جہتیں پیدا ہی کرتا ہے لیکن اگر کسی لفظ کے خود لغت میں بہت سارے معنی ہوں تو ایسے الفاظ کا استعمال ہی اس افسانہ نگار کے ذخیرہ الفاظ کی وسعت اور زبان پر اس کی قدرت کا پتا دیتے ہیں۔اسد صاحب نے اپنے ایک افسانے میں لفظ سارنگ کو بطور عنوان استعمال کیا ہے اور بیانیہ میں اس لفظ کی جو تفصیل پیش کی ہے،اس سے معنی کی مختلف جہتیں روشن ہوتی ہیں۔ جب کہ خود لغت میں اس لفظ کے تقریباً چالیس معانی ہیں۔ جس کا ذکر افسانوں کے موضوعات کے باب میں آچکا ہے۔اسد صاحب نے سارنگ کے جو معنی بتائے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''سارنگ کیا ہے؟''

وہ بولی ''سب چیج''

''کیا سب چیز؟''

سن۔ سارنگ بولتے ہیں جب کسی اپنے کو کچھ دینا ہو دے اور سمز نہیں آوے کی کیا دے۔ جی کرے اس دنیا سنسار کی، برہمانڈ کی سبھی چیج دے دیو تبھی بولتے ہیں کہ تیرے لیے سارنگ لاؤں گی۔''

اچھا، پر یہ سارنگ ہوتا کیا ہے؟ چیز کیا ہے؟''

لڑکی بولی'' سب چیج! کمل کا پھول سارنگ، کاجل، کپڑا، موتی، سونا، چراگ دیوا، یہ سب سارنگ۔ باج، ہنس، مور، گھوڑا بھی سارنگ اور جیسا تو ہے باگھ، سیر۔ تو تو بھی سارنگ۔ تال، سنکھ، پپیہا، ہرنی، کویل۔ اے اے!

تیرے کو کوئل لادوں؟ کوادکوا۔ ہاں؟''

باولی ہے تو تو''

ابھی سن نا۔ سارنگ بولتے ہیں رات کو چندرماں کو، سوریہ کو، جمعین کو، بھنورے کو، اور آکاس کو، کبوتر کو ،ہل کو، راج کو، سر کے چھتر کو اور تیرے چرن

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

لگانے چندل کو"

"چندل؟"

ارے ہاں نا۔ جسے صندل بولتے ہیں اور چڑیا بھی سارنگ ہے اور عورت

بھی عورت چنے تیرے کو؟"(۴)

اسد صاحب نے سارنگ کے معنی جس تفصیل سے بیان کیے ہیں، اس سے زبان پر ان کی بے انتہا قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ افسانے میں جنس کے تقدس اور اس کی فضیلت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ہندو اساطیر میں یہ فضیلت اتنی آفاقی ہے کہ کائنات کی ہر پسندیدہ شے پر حاوی ہے۔ افسانے میں جنسی تعلق کو آفاقی وسعت دینا ایسے ہی الفاظ کے ذریعے ممکن تھا جیسا کہ مذکورہ اقتباس میں اسد صاحب نے لفظ سارنگ کے ذریعے اشیا کے باہمی تعلق کو آفاقی وسعت عطا کی ہے۔ اسد محمد خاں کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہوئے کہیں بھی زبان کی ثقالت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ وہ الفاظ و تراکیب کا استعمال اس خوش اسلوبی سے کرتے ہیں کہ عبارت میں سلاست و روانی قائم رہتی ہے۔ افسانہ یوم کپور کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ور گزئے دوست خان اپنے ۱۹ رفیقوں کے ساتھ جنوب کی ٹیکری پر چڑھا اور طشت نما وادی پر نظر ڈالی، جہاں کفار سے کفار نبرد آزما تھے اور بلا کا شور کرتے تھے۔ ور گزئے دوست خاں نے کچھ دیر ان کے طریق جنگ کا مشاہدہ کیا اور طشت نما وادی کے لشکر کو پسپائی کی جنگ لڑتے دیکھا، پھر بیزاری سے منہ پھیر کر جماہی لی اور بولا یہ کون لوگ ہیں؟ واللہ ان قرمساقوں کو جنگ مغلوبہ کا بھی شعور نہیں۔"(۵)

اسد محمد خاں کے ذخیرہ الفاظ کی وسعت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ہی مفہوم کو ایک ہی افسانے میں لفظوں کی ترتیب و تنظیم سے مختلف انداز میں بیان کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جس کے سبب ہیں۔ واقعات کی تکرار قاری پر کہیں گراں نہیں گزرتی۔ مذکورہ اقتباس کے ہی مفہوم کو اسد صاحب نے اسی افسانے میں دوسری جگہ اس طرح سے بیان کیا ہے:

> "دوست خان اور اس کے ۱۹ رفیقوں کے پاس بس بے نیام تیغے اور ستو کی چند پوٹلیاں باقی بچی تھیں اور یہ میں طالع آزما درہ خیبر کے کسی علاقے تیراہ سے آئے تھے اور ور گزئے دوست خان، سردار قبیلہ کا بیٹا تھا اور اپنے بھائی سے روٹھ کر قسمت آزمانے مغلوں کی قلمرو میں در آیا تھا اور جس دن اس نے جنوبی ٹیکری پر کھڑے ہو کر کفار مالوہ کے دوخون آشام لشکروں کو کھانڈے سے کھانڈا بجاتے دیکھا، اس دن رکھشا بندھن کا تو ہار تھا مگر لینگی ناچنے کی بجائے اہل ہنود کھانڈے سے کھانڈا بجا رہے تھے اور اگر جدا علی ور گزئے دوست خان توجہ نہ فرماتا تو ہزیمت وادی طشت کی رانی کا مقدر تھی۔ سو اس نے توجہ فرمائی اور ہارتے ہوئے لشکر کے شانہ بشانہ جنگ کی، فتح مند آیا مگر دوست خان کو ان کا طریق جنگ ایک آنکھ نہ بھایا تھا ۔"(۶)

اسد صاحب لفظوں کا انتخاب نہیں کرتے بلکہ صورت حال، فضا بندی، جذبات اور احساسات کے مطابق الفاظ خود بخود ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے یہاں بیانیہ کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ وہ عام فہم الفاظ، غیر مانوس الفاظ و تراکیب دوسری زبانوں مثلاً ہندی، انگریزی، پنجابی کے بھی الفاظ بڑی سہولت کے ساتھ استعمال کرتے چلے جاتے ہیں مثلاً تیا پانچا، پھلیا، رے ناس مٹوں، کٹھب، کلدار، کلک، نگر سگھڑ، حیص بیص، وش کنیا، جتن، نظم و دیا، پرلپت، چھاچھ کی گاگر، تیاگ، سنیاس، شردھانجلی، کھیم کشل، گاڑھ داب، تھان تو بڑا، اسکینڈل باز بوڑھے، Entity Genitals، ہیلپر ریکروٹ، ویٹریزی، سیلولائٹ، بلڈوزر، ارتھ مور فلش ٹینک اور Sensitivity وغیرہ۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسد محمد خاں کو مغربی و مشرقی زبانوں کے معتد بہ حصے پر دسترس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

حاصل ہے اس لیے ان کے پاس الفاظ و تراکیب کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ موقع و محل کے لحاظ سے بیانیہ میں مختلف زبانوں کے الفاظ استعمال کرتے جاتے ہیں اور تخلیقی اظہار پر ان کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ لفظ کسی بھی زبان کے ہوں، ان کے بیانیہ کی وضاحت و روانی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔

زبان کے حوالے سے اسد محمد خاں کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے جس عہد یا جس مقام کا واقعہ بیان کیا ہے، اسی کے مطابق زبان بھی استعمال کی ہے کہ قاری خود کو اسی فضا اور ماحول میں پاتا ہے۔

تاریخ کے حوالے سے اسد محمد خاں نے جتنے بھی افسانے تشکیل دیئے ہیں مثلاً گھڑی بھر کی رفاقت، جشن کی ایک رات، ندی اور آدمی، دارالخلافے اور لوگ کھلتی دھوپ اجلتے سائے، اپنی اک کہانی سے بلائے گئے لوگ، رسالے دار وغیرہ میں اسی عہد کی زبان کے ذریعے افسانے کی فضا سازی کی گئی ہے۔ جس سے تاریخ کے اس عہد کی تہذیبی و معاشرتی ثقافت افسانوی بیانیہ کا ناگزیر جز معلوم ہونے لگتا ہے۔ افسانے سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

> ''سنبھل کا حاکم مسند عالی عیسی خان لکبور سروانی، شیر شاہی دربار کا حجاب دار، میر توزک اور سلطان کا تنبول دار تھا۔ وہ سلطان کو دربار میں پان پیش کرتا تھا۔ یہ خود اپنی جگہ ایک جلیل القدر اعزاز تھا۔ اسے پانچ ہزار سواروں کی سالاری اور اہل و عیال کی پرورش کے لیے دو پرگنے عطا ہوئے تھے۔ عیسی خان بلا کا شمشیر زن اور قیامت کا شاہسوار تھا۔''(۷)

> ''رسالے دار ابھی پورے دوبیت بھی نہ سنا پایا ہو گا کہ دور دالانوں میں بیساولوں کی آواز کڑکی۔
>
> ایک لیساول تسلسل میں پکارتا تھا' نگہ داراں نگاہ داشت ! نگہ داراں نگاہ داشت !''
>
> دوسرے نے کڑک کر کہا،'' صاحب ظل ہما.... مشیت اللہ فی الارض خلیفہ زماں..... سلطان عادل''
>
> پہلا نقیب تیکھے سر میں پکارا، المعدل''!
>
> دوسرے کا آوازہ، المعروف والمعزز !'' ابھی بازگشت کرتا تھا کہ پہلے کی گرج سنائی دی'' بادشاہ اقلیم ہند بہ تائید ایزدی، حضرت شیر شاہ سوری پھر دونوں بیساول ایک آواز ہو کر دعائیہ انداز میں پکارے،
>
> ''خلد اللہ ملکہ و سلطانہ''
>
> حاضرین میں کھلبلی مچ گئی۔ صدر الصدور حسن علی خان، جن کی فرمائش پر شیر بھون کی ڈھنڈار عمارت میں تنبور نوازی اور بیت خوانی کی یہ محفل ہو رہی تھی محفل صدر سے اٹھ کر برہنہ پا دالان میں نکل آئے۔
>
> ... دالان کا موڑ مڑ کر سلطان شیر شاہ سوری، خاصہ داروں کی مشعلوں، چھت سے لٹکتے فانوسوں اور دیوار گیر ہانڈیوں سے روشن دیوان کے دالان کبیر میں آئے.....
>
> ... سلطان نے سرمست خان سربنی کی طرف جیسے مصنوعی بیزاری سے دیکھا اور کہا' کوکلتاش ! کیا تم نے میرے اور اپنے سخت کوش دوستوں کو ساز بجا بجا کر نرم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے؟''
>
> سرمست خان نے مسکرا کر جواب دیا، خدا نے سلطان والا جاہ کو صحت کاملہ سے نوازا ہے. یہ ایک شب یقیناً سلطان اپنے کوکلتاش کو عطا کریں گے تاکہ ایک بار تو عقابوں کے مسکن میں بلبل کو بولتے سنا جا سکے۔''(۸)

"حاکم بنارس نے پردہ کھینچے ہوئے دالان کی طرف رخ کیا، بلند آواز میں کہا، سیدہ خالدہ بنت سید جمال الدین شاہ یہ علم میں آیا ہے کہ تمہیں خلیفہ زماں حضرت سلطان عادل بادشاہ اقلیم ہند کی روبکاری میں فریاد گزارنی ہے، سو یہ وقت ہے فریاد گزارو، حضرت معدلت گستر سلطان عادل شیر شاہ سوری بادشاہ اقلیم ہند تخت عدالت پر متمکن ہیں اور گوش بر آواز ہیں۔"(۹)

مذکورہ اقتباسات کے مطالعے سے صاف واضح ہے کہ افسانہ نگاران واقعات کے بیان میں جو زبان استعمال کر رہا ہے وہ کسی خاص عہد میں رائج تھی اور اس عہد کے کرداروں کے طبقاتی امتیازات کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسد محمد خاں کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف اس عہد کی زبان لکھنے پر ہی قادر نہیں ہیں بلکہ اس کی تہذیب و معاشرت سے انہیں مکمل واقفیت ہے۔ افسانے کی قرآت کرتے ہوئے واقعات کے پس منظر میں اس عہد کی تہذیب و معاشرت قاری کے ذہن میں روشن ہوتی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اسد صاحب کے افسانوں میں مختلف مقامی بولیوں کی بھی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً افسانہ نربداء میں بندیل کھنڈ کی زبان اور افسانہ ایک دشت سے گزرتے ہوئے میں بلوچی زبان کے ذریعہ بیانیہ مرتب کیا گیا ہے۔ ان افسانوں میں یہ زبانیں مقامی کرداروں کے ذریعے ہی ادا کی گئی ہیں۔ افسانہ نربدا سے یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"بوڑھے نے پوچھا، ارے کیا ڈھونڈ رہا ہے رے؟

لڑکا جھوبھل سے بولا، ایک گڑوی بھی تو تھی اپنے پاس؟

ہاں یہ رہی۔ پر اس میں تو نمک کی ڈلی بھر دی ہے۔

لاؤ ادھر دو'

بوڑھے نے پیتل کی گڑوی لڑکے کی طرف بڑھائی، لے پر کرے گا کیا؟ لڑکی بھی بات ختم ہو گئی وہ گاڑی میں اپنی جگہ سنبھالنے کو بڑھی تھی کہ بوڑھے کی ہانپتی ہوئی آواز آئی، بھلا تو مانڈو کا امن تج کے چندیری کھوار ہونے کائے کو گئی تھی؟"(۱۰)

"مکھیا بولا، 'ناں ناں جی بائی ٹھکرائن! ایسی بات نہیں ہے بساطی کی عورت کے کتنے دو دفعے منے آدمی بھیجا، کی بول ہائی اماند و کھبر کراؤں؟ پر وہ مانتی نہیں تھی۔ بولتی تھی لڑکا گھاٹ چوکی یہ بندی ہے...

ٹھاکر بکرم نارنگ سنگھ اس کی طرف گھوم گیا۔ بھئی تم نے برے گاؤں نے کھبر ائیں پنچائی؟ ہمی مسلمان کے گھر بیٹھ گئی تھی بچے پر بچہ جن رہی تھی ہاں؟ کالے مرجی تھی تمہاری؟ کی گاؤں کا کلنگ ٹھگوں کے ہاتھ سے مٹ جائے؟ پھر گڈے پہ گانڑ دھر کے، نچنت ہو کے بیٹھو سبئی کے سب... ہاں؟"(۱۱)

مذکورہ اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ کردار جس لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں اور جس طرح کی لفظیات وہ استعمال کر رہے ہیں وہ افسانے میں متعین کردہ مقام/علاقے کی اپنی مخصوص زبان ہے۔ اسی طرح افسانہ ایک دشت سے گزرتے ہوئے میں بھی ایک کردار اپنی مقامی زبان بلوچی میں بولتا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو کراچی میں رہنے والے بلوچی بولتے ہیں۔

"ایک مرد کی بھاری آواز سنائی دی جاوے! ہاں ڑے دوس! پروائیں بچہ بولو۔ ابی ہم آگیاؤں۔

.... مرد کی وہی بھاری آواز سنائی دی، اٹھ روکو، روکوڑے اوٹھ، گورکش! تمہارا اوکات میں چا کو مارے"!

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کیا بات ہے سالا شیدی! کیوں شور کرتا ہے؟

اڑے لڑکا مر جائیں گا۔ اوٹھ رو کو، تمہارا ماں... گر جائیں گا لڑکا اوپر سے.....

ابی کچھ ہو گیا لڑکے کو تو ہم تم کو چوڑیں گائیں۔ شاہ جبل کا کم ہے۔

کبر سے بی بیچ کے لے آئیں گا ترے کو مادر کش!... چوڑ میں گائیں۔"

اٹھ چل اٹھ بھینی ہے انشئی سالے... ادھر سوں گیا ماں یا؟ اسے سونے دیوڑے تمہارے ایمان کا کھوٹ نکالے! خر نصیب!

گوار کش! لڑکے کو کس واسطے حتی ران کرتے او..... پیر کش!"(۱۲)

اسد محمد خاں اپنے افسانوں میں کرداروں کے مطابق پیرائے اظہار اختیار کرتے ہیں۔ ان کا ہر کردار اپنی معاشرت، اپنے علم اور اپنے مزاج کے مطابق زبان بولتا اور عمل کرتا ہے۔ کہیں مصنف/افسانہ نگار کا دخل نظر نہیں آتا۔ کردار کے جذبات و کیفیات کا بیان خود ان کی اپنی زبان سے ہوتا ہے۔ کردار اگر ناخواندہ ہے تو اسد صاحب زبان اسی کے مطابق استعمال کرتے ہیں مثلاً افسانہ باسودے کی مریم میں کردار مریم کی زبان دیکھیں:

"اے دی بھین، یہ اللہ کی دین ہیں... نبی کے امتی ہیں۔ انھیں مارے گی، کوئے گی تو اللہ نبی کھش ہوں گے تجھ سے؟ توبہ کر لھین! توبہ کر" بنادی۔

تو بیٹا ڈانگدروں نے کیا کیا کہ حرامیوں نے ممدو کے گال میں کھڑکی دری دلھین! ابی بی پھاطمہ تو ایکئی تھیں۔ نبی جی سرکار کی سجادی تھیں، دنیا آکھرت کی باچھا تھیں، ہم دونج کے کندے بھلا ان کی بروبری کریں گے۔ توبہ توبہ استغفار"

رے حرامی تیرا ستیاناس جائے رے ممدو! تیری ٹھٹھری نکلے اور ے بدجناور کبر میں کیڑے پڑیں میرے سرے پیسے خرچ کرادیے۔ اے ری دلھین میں کے مدینے کیسے جاؤں گی۔ بتاری بھین اب کیسے جاؤں گی؟"(۱۳)

مذکورہ اقتباس سے مریم کا لب ولہجہ اور ان الفاظ سے دین، کوٹے گی، کھش، ڈانگدروں، پھاطمہ، ایکئی، سجادی، آکھرت، دونج وغیرہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ افسانہ نگار اپنے قاری کو یہ بتادینا چاہتا ہے کہ اس کا کردار پڑھا لکھا نہیں ہے۔ لیکن ان مکالموں سے کردار کے جذبات پوری طرح قاری پر روشن ہو جاتے ہیں۔ اس زبان سے بیانیہ میں کوئی ثقالت یا پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی بلکہ افسانے میں یہ کردار کی شخصیت کا ناگزیر جز معلوم ہوتے ہیں۔ افسانہ چاکٹ کا مرکزی کردار ایک پڑھا لکھا، متقی، پرہیزگار شخص ہے۔ اس کردار کی زبانی یہ بیان دیکھیں:

"مٹی او مٹی! اگر یہ امر الٰہی ہے کہ میں اور میرے ہمسائے اپنے اس ختم نہ ہونے والے روزے ہی میں اپنے خالق سے جاملیں تو بے شک ہم رضائے الٰہی میں راضی ہیں۔ شکوہ تو الگ رہا، ہم تو لفظ کیوں بھی اپنی زبانوں پر نہیں لائیں گے۔ اور اگر میری کسی کوتاہی سے، میرے تساہل، میری ناسمجھی سے تو نے وہ رزق ابھی ہمیں سونپنا شروع نہیں کیا جو ہمارے نام کا تیری تحویل میں ہے؛ تو اے مٹی لے افضل علی اپنے رب کے نام کے ساتھ پھر سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ پھر سے تجھے سنوارتا ہے۔ پھر سے تیری خدمت کرتا ہے۔"(۱۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مذکورہ اقتباس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ کردار جو زبان بول رہا ہے۔ اس کی باطنی شخصیت کیسی ہے۔ کردار فضل علی نیک متقی اور پرہیز گار شخص ہے۔ کردار کی اس شخصیت کو روشن کرنے میں جتنی کارفرمائی واقعات کی ہے، اتنی ہی زبان کی بھی۔

اسد صاحب کے افسانوں میں کردار اگر مسلم ہے تو وہ مسلم معاشرت کی زبان بولتا ہے اور اگر ہندو ہے تو ہندو معاشرت کی زبان بولتا ہے مثلاً افسانہ گھس بیٹھا، میں ڈلیجن لکھیرا جو ذات کا ہندو ہے اپنے مذہب کے مطابق بریار خاں کے لیے دعا کرتا ہے:

> ''میں خود کمزور تھا پر بھو! میں نے کسی جیو جانور کو بھی نہیں ستایا۔ دونوں ہاتھ باندھ کے بسر کر دی مالک! میں تو کرونامئے گریجاپتی کا بھکت ہوں، سیدھا سورگ میں جاؤں گا۔ ہے پر میشورا گر یہ یم راج کی بد دھونی ہے تو اب اس مسلمان کی بھی رکچھا کر دے مالک یہ اندھا نرک اندھکار میں اکیلا کہاں مارا مارا پھرے گا روشنی دکھادے اسے بھی پر بھو!''(۱۵)

بریار خاں ڈلیجن کے لیے دعا کرتا ہے:

> ''غفور الرحیم اس نے میرے ساتھ بہت نیکیاں کی ہیں۔ ابھی اس کا دم آخر نہیں ہوا ہے۔ نواز دے اسے مسلمان کر دے مولا! یہ جہنم میں کہاں مارا مارا پھرے گا، اکیلا ہے سسرا۔''(۱۶)

ان کے علاوہ اسد محمد خاں کے افسانوں کے طوائف کردار کی زبان بھی ان کے اپنے مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ افسانہ ایک میٹھے دن کا انت' سے یہ اقتباس دیکھیں:

> ''جمیلہ شور شرابا کرتی لاؤنج میں آگئی۔ پھر اس نے جماہی لی اور گانے لگی، انھیں تم جگانے کی کوشش نہ کرنا کوشش نہ کرنا۔''
>
> ودی کو اچھا نہ لگا، وہ اسے گھورنے لگی۔
>
> جمیلہ نے برا سا منھ بنا کے غسل خانے کے بند دروازے کو دیکھا اور بولی، ہاں ددی جی! باتھ روم میں تمہاری اختری بائی فیضابادی گھسی ہو گی؟ اں ددی
>
> جمیلہ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کے پانچ کا ایک نوٹ نکالا اور لمڈے کی طرف بڑھا دیا، لے بے! ایک پاکٹ قینچی کا، ایک مسکہ بن، دو ایسی شل چائے ہے تو ادھری کھڑا ہے ابھی تک؟
>
> جمیلہ بولی تم بھی پیا کرو یا حقہ پیو مائی فروزہ کی طرح قسم سے مزہ، آجائے گا۔''(۱۷)

مذکورہ اقتباس میں اسد صاحب نے جو زبان اپنے کردار کے لیے استعمال کی اس سے طوائفوں کا بازاری لہجہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اس افسانے کے علاوہ برجیاں اور مور نصیبوں والیاں، چھوٹے بور کا پستول اور دانی کی کہانی میں اسی طرح کی زبان استعمال کی گئی ہے، جو طوائفوں کے طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔

بیانیہ (Narration) اور روئداد (Description) ایک ہی متن کے دو لازمی جز ہوتے ہیں اور دونوں کے اشتراک سے ہی کوئی متن وجود میں آتا ہے۔ بیانیہ عمل اور واقعات کی نمائندگی کرتا ہے، جب کہ روئداد اشیاء و کرداروں کا بیان ہے۔ روئداد اور بیانیہ میں اس فرق کی وجہ سے متن میں دونوں کا تفاعل ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ روئداد صرف اسماء و صفات کی نمائندگی کو موزوں ترین ترتیب کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ اس باب کے گزشتہ صفحات میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ افسانہ نگار روئداد کا استعمال واقعہ کی کسی داخلی یا ظاہری جہت کو روشن کرنے کے لیے کرتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اسد محمد خاں کو زبان کے استعمال پر حد درجہ قدرت حاصل ہے۔ وہ جب کسی کردار کے ظاہری شکل وصورت کا خاکہ پیش کرتے ہیں تو وہ کردار کے مطابق ہی زبان کا استعمال کرتے ہیں جس سے کردار کی شخصیت کے واضح نقوش قاری کے ذہن پر مرتب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ اقتباسات ملاحظہ کریں:

> ''ڈلیجن کو چنکبرے کی بیماری تھی اس کی انگلیوں کا چڑا اور ہونٹ اور پپوٹوں کے سرے سفید ہو چکے تھے ۔ باقی چہرے پر بھی چنکبری بیماری نے بسنت کے چوکے پور دیے تھے۔ گردن اور چھاتی کے چمڑے کی بھی یہی حالت تھی۔''(۱۸)

> ''کسرتی بدن کے اس بلند قامت نوجوان کی مونچھیں تاتاریوں کی طرح نیچے کو جھکائی ہوئی مگر مختصر تھیں۔ اس کی آنکھیں جیسا کہ لڑکی کو یاد تھا، اجلی سبز تھیں اور شانوں تک پہنچے ہوئے گھنے بالوں کا رنگ سرخی مائل سیاہ تھا۔ چہروں کی گندم گوں رنگت سے لگتا تھا کہ محل سراؤں کی بجائے وہ اپنا زیادہ وقت کھلے آسمان کے نیچے گزارنے کا عادی ہے تو دھوپ نے اور بارشوں نے اور بیابانوں کی ہوا نے چہرے پر اپنے نقش چھوڑ دیئے تھے جس سے اس کی مردانہ وجاہت میں اضافہ ہوا تھا۔''(۱۹)

مذکورہ دونوں اقتباسات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زبان پر اسد محمد خاں کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے مناسبت سے ہی ان کی ظاہری ہیئت کو پیش کرنے کے لیے زبان بھی اسی لحاظ سے استعمال کرتے ہیں تاکہ کردار کی شخصیت اس کے اپنے معاشرتی پس منظر میں ظاہر ہو۔ مذکورہ دونوں اقتباسات میں صرف ایک تشبیہ استعمال کی گئی ہے باقی کردار کی ظاہری ہیئت صفات کے ذریعے روشن کی گئی ہیں۔ ایسا تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب افسانہ نگار کو زبان پر مکمل قدرت حاصل ہو۔ اسد صاحب نے افسانوں میں قدرتی مناظر، جگہوں، مکانات وغیرہ کی بھی تفصیلات بیان کی ہے ان بیانات میں وہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کے ذریعے تصویریں بناتے ہیں۔ یہ تمام جزئیات ایک دوسرے سے باہم جڑتے چلے جاتے ہیں۔ روئداد کی تشکیل کرتے ہوئے اسد صاحب لفظیات کا استعمال بھی اسی مناسبت سے کرتے ہیں مثلاً وہ یہ خیال رکھتے ہیں کہ کس طرح کی عمارت یا جگہ کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ اگر قدیم عمارت کی تفصیلات بیان کر رہے ہوتے ہیں تو اس کے لیے وہ اسی اعتبار سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ درج ذیل دو مثالوں کے ذریعے اس کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔

> ''یہ لاک اپ بھی سب حوالاتوں کی طرح منحوس در و دیوار والی تھی۔ فرش سے پانچ ساڑھے پانچ فٹ بلندی تک دیوار پر کالا رنگ پھرا ہوا تھا۔ پتھر جڑے انگے فرش پر دو جگہ ملیشیا کے پرانی کمبل تہہ کیسے پڑے تھے۔ کونے میں ایک طرف کمبلوں کا ایک ڈھیر اور تھا۔ دوسرے کونے میں نالی کے سامنے، سیمنٹ کی بالشت بھر اونچی حد بندی سی تھی اس پر بھی کالا پینٹ لگایا گیا تھا۔ پینٹ تازہ تھا یا شاید ادھر فائل ڈالی گئی ہو گی۔''(۲۰)

> ''قید خانے کی چھت نیچی تھی۔ دیوار کے طول میں دو ڈھائی بالشت کا تنگ چبوترہ بنا تھا، جس پر پیال کا ایک گدا جیسا ڈال دیا گیا تھا۔ یہ اس کا بستر تھا اور یہی بیٹھنے کی چوکی بھی۔ ٹیڑھے ترچھے پتھر جما کر بنایا گیا فرش اس درجہ ناہموار تھا کہ بے دھیان ہو کر کوئی چلے تو ضرور ٹھوکر کھا جائے .. ایک طرف کونے میں آبخورے سے ڈھکا چھوٹا سا گھڑا ٹکا ہوا تھا۔''(۲۱)

مذکورہ دونوں اقتباسات قید خانے کے متعلق ہیں لیکن دونوں کی زبان میں فرق ہے۔ کیوں کہ دونوں دو الگ الگ زمانے کی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً پہلی مثال میں مستعمل الفاظ لاک اپ، رنگ پھرا ہوا، ملیشیا کے پرانے کمبل، فینائل وغیرہ جدید عہد کے قید خانوں کی عکاسی کرتے ہیں جب کہ دوسرے اقتباس میں دیوار کے طول میں دو ڈھائی بالشت چبوترہ، پیال کا گدا، آبخورہ سے ڈھکا چھوٹا گھڑا وغیرہ جیسے الفاظ قدیم عہد کے قید خانوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اسد صاحب نے اپنے افسانوی روئداد کی زبان میں موضوع سے پوری مناسبت رکھی ہے۔افسانہ ہے لالا کا موضوع موسیقی کی جدید کاری ہے۔اس افسانے کے بیانیہ کی لفظیات تکنالوجی اور موسیقی کی آمیزش سے مرتب کی گئی ہے۔

> ''چالیس کیمروں نے اپنے زوم لینس اس کے دہانے میں اتار دیے ہیں کہ ان چالیس کیمروں کے پیچھے چالیس کرومیم پلیٹیڈ بومز ہیں۔ جن کے سروں پر فولادی چھینکوں میں حساس مائکرو فونز قلمی آموں کی طرح جھول رہے ہیں۔ یہ چالیس کیمرے ایم ایف رحیم کی سوجی ہوئی سرخ زبان کے اختتام پر موت کے آرگزم میں اچھلتے ہوئے کلی ٹورس کو فوکس کرتے ہیں، جو دہشت اور decay کا مرکزہ ہے اور چالیس بومز اس Chaos کو جزب کرتے ہیں۔ متورم چہرے والا ہو موسیکیچوئل پروڈیوسر، بیالیس راگ راگنیوں اور سروں، شرتیوں کو اپنی توند سے دھکیلتا ہوا اسٹوڈیوائے کے دوہرے دروازوں میں لے جاتا ہے...اس آواز کی نوٹیشن F-Minor ہے۔''(۲۲)

اسی طرح سوروں کے حق میں ایک کہانی میں اسد صاحب جب تالاب کا ذکر کرتے ہیں تو تالاب کا

مشاہدہ پانی کی مناسبات سے مزین ہوتا ہے۔

> ''تو یہ کئی سو گنگائیں نیچے پہنچ کر ایک بارہ ماسی تال بناتی ہیں، جس کی سطح سنگھاڑے کی بیلوں سے اور جل کمبھی سے اور تین قسم کے کنول سے ڈھکی رہتی ہے۔تال میں بہت چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہیں، جو آدمی کے قد جتنی اونچی، گہرے ہرے رنگ کی چکنے پھل والی آبی گھاس پہنے رہتے ہیں۔''(۲۳)

اس کے علاوہ اس افسانے میں تمام تفصیلات موضوع کی مناسبت سے فطری اشیاء کے بیان پر مشتمل ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسد محمد خاں کے افسانوں میں روئداد کی زبان موضوع کی مناسبت سے تشکیل دی گئی ہے۔افسانے کی قرآت کرتے ہوئے کہیں بھی روئداد کی زبان سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی بلکہ بنیادی خیال کی مناسبت سے روئداد کی زبان بہت ہی موزوں معلوم ہوتی ہے۔

گذشتہ صفحات میں اسد محمد خاں کے افسانوں کے راوی والے حصے میں راوی کے کردار کا جو تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اس سے یہ واضح ہے کہ افسانہ مصنف کا تشکیل دیا ہوا راوی بیان کرتا ہے اس لیے بیانیہ کی اوصاف و امتیازات اسی راوی کے نقطۂ نظر و اس کی ترجیحات سے براہ راست مربوط ہوتے ہیں۔

اس لیے افسانوی متن میں راوی کی زبان، اس کی تعلیم و تربیت اور اس کی ترجیحات کا پتہ دیتی ہے۔یعنی راوی قصہ بیان کرتے ہوئے صرف کرداروں کا تعارف ہی نہیں کرا رہا ہوتا بلکہ خود اپنی منفرد پہچان کا پتہ بھی دیتا ہے مثلاً اگر راوی کوئی عورت یا مرد، بوڑھا یا بچہ ہوگا تو متن کا بیانیہ افسانے کے راوی سے منسوب خصوصیات سے مرتب ہوگا، جبکہ افسانے کے کرداروں کی زبان، ان کے اپنے ماحول، ان کی شخصیت اور ترجیحات کی ترجمان ہوگی۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں کرداروں کی زبان کے مطالعے میں ذکر کیا گیا۔

اسد محمد خاں کے افسانوں میں راوی اور کرداروں کی زبان میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ان کے افسانوں میں راوی کی زبان ان کی اپنی تعلیمی لیاقت، معاشرتی و مذہبی اقدار کو نمایاں کرتی ہے۔افسانہ یوم کپور کا واحد متکلم راوی کہتا ہے:

> '' میں اور میرے جد، بنی اسرائیل کے وہ قبیلے تھے جو اپنے بھائی بندوں کی حرمزدگیوں سے بیزار ہو، اپنے اپنے ید بیضا اپنی بغلوں میں مار، ارض موعود کی تلاش میں الٹے چلتے ہوئے، پہاڑوں پہاڑ ادھر آنکلے تھے۔ پھر ایک قاصد فرخندہ فال نے ہموار زمینوں اور سمندروں اور جنگلوں کو نوید پہنچائی کہ صدق کا سورج طلوع کی منزلوں میں آگیا ہے۔ سو ہم نے گینڈے کی سی گردن والے اپنے سردار الف خان سے پکار کر کہا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کہ الف خانہ! او بے پیر، ٹیلے سے نیچے اتر آ اور اپنے تئیں کو زمین بوس کر دے، یہ رجز خوانی بند کر اور سن لے کہ قبیلہ قریش تو آج سب قبیلوں پر سبقت لے گیا۔ خدائے موسیٰ کی قسم اس قبیلے کے آسمان شکوہ ہاشم خیل میں تو زمینوں اور آسمانوں کے سرور نے ظہور کیا ہے۔ او الف خانہ کعبہ اللہ کی طرف منہ کر لے کہ سورج کی سی پیشانیوں والے آج ابراہیم کے گھر کی سمت مر گئے ہیں۔"(۲۴)

مذکورہ بیان میں راوی نے اشاروں کی زبان میں جس سلاست و روانی کے ساتھ اپنے خاندان قبیلے کا، نبی کریم کی پیدائش اور بنو ہاشم کی سرفرازی کا ذکر کیا ہے، اس سے زبان پر افسانہ نگار کی گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مذکورہ اقتباس کے پہلے پیرا گراف میں بنی اسرائیل، ید بیضا اپنی بغلوں میں مار، ارض موعود یہ تمام لفظیات یہودی تہذیب سے ماخوذ ہیں، جو اس قوم کی پوری تاریخی پس منظر کو روشن کر دیتی ہیں۔

اسی طرح دوسرے پیرا گراف میں اسلامی تہذیب کی لفظیات استعمال کی گئی ہیں مثلاً صدق کا سورج، قبیلہ قریش، آسمان شکوہ ہاشم خیل، آسمانوں کے سرور، کعبتہ اللہ وغیرہ ان تمام لفظیات کے ذریعے راوی اسلامی تاریخ کے آغاز کا پورا واقعہ قاری کے ذہن میں روشن کر دیتا ہے۔ اس طرح کی لفظیات کے ذریعے تشکیل دیئے گئے بیانیہ سے تخلیقی زبان پر افسانہ نگار کی انتہائی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسد محمد خاں جب تاریخی واقعات کو افسانے کے قالب میں ڈھالتے ہیں تو وہ اس عہد کی زبان، معاشرت، تہذیب و تمدن کو واقعہ کا پس منظر بناتے ہیں۔ کردار اپنے عہد کی زبان تو بولتے ہی ہیں راوی کی زبان بھی اسی تہذیب و معاشرت کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً افسانہ دشت بے عافیت سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"پورا دربار سروقد کھڑا ہو گیا۔ پردے کے پیچھے سیدہ خالدہ اور میزبان خواتین بھی باادب کھڑی تھیں۔ ململ کے سادہ پیراہن میں ملبوس شانوں پر سیاہ عباڈالے، سیاہ عمامہ باندھے ایک ہاتھ میں تسبیح ہزار دانہ دوسرے میں نیام کی ہوئی شمشیر لیے سلطان شیر شاہ سوری آہستہ آہستہ چلتے ہوئے تشریف لائے۔ صدر میں قالین پر بچھی لکڑی کی بھاری سیاہ کرسی پر متمکن ہوئے. کسی تمہید یا شاہی خدم و حشم کو درمیان میں لائے بغیر سلطان شیر شاہ نے ایک بار قدرے بلند آواز میں کہا، بسم اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ..... سلطان اس کی آواز سننے کو ہمہ تن گوش تھے۔ ایک سچ سننے والی سماعت صدف کی طرح اس کے نیساں لفظوں کی منتظر تھی۔"(۸۵)

افسانہ جشن کی ایک رات سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"نوجوان روہیلہ سینے پر ہاتھ باندھ کر خم ہوا۔ سربنی نے اپنے خادم خاص کو اشارہ کیا۔ اس نے دوشالے میں لپٹا تنبور اپنے آقا کو پیش کر دیا۔ سرمست نے اجازت لے کر تنبور کے تار ملانا شروع کیے۔ پھر جب سلطان نے اپنے اس رضاعی بھائی کی طرف مہر و مروت سے دیکھا تو اس نے رجز کی کوئی شعلہ فشاں دھن چھیڑ دی۔"(۲۶)

مذکورہ اقتباسات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسد محمد خاں کا راوی نہ صرف فصیح اردو بولتا ہے بلکہ جس زمانے کے واقعات بیان کرتا ہے زبان اس زمانے کی فصیح اور معیاری اردو ہوتی ہے۔

اسد صاحب نے اپنے افسانوں میں شعری وسائل (تشبیہ، استعارہ، پیکر، علامت تمثیل) سے بھی کام لیا ہے۔ انھوں نے شعری وسائل کا استعمال صورت حال کو مزید واضح کرنے اور جذبات و کیفیات میں شدت پیدا کرنے کے لیے کیا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اسد محمد خاں تشبیہات و استعارات سے کئی کام لیتے ہیں۔ کبھی تو وہ سیدھے سادے انداز میں کسی کردار کی کوئی کیفیت یا جذباتی حالت یا کسی شے کی ظاہری ہیئت بیان کرنے کے لیے تشبیہات خلق کرتے ہیں۔ کبھی خیال، کردار یا منظر کی پیچیدگی کے حل کی خاطر موزوں تشبیہات استعمال کرتے ہیں۔ کردار کی ظاہری ہیئت کو واضح کرنے کے لیے استعمال کی گئی تشبیہات ملاحظہ ہوں:

''اس نے وئی کہہ کر نارا مارا اور پھر کی جیسے گھومنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کا پیراہن خانہ بدوشوں کے خیمے کی طرح پھیل گیا۔''(۲۷)

''نصرت خاں نے کہ زمین کی طرح سانولا اور تاڑ کی طرح لمبا تھا اور اسی لیے کو لے خان کہلاتا تھا۔''(۲۸)

مذکورہ دوسری مثال میں سانولے اور لمبے شخص کے لیے زمین اور تاڑ کی جو تشبیہ لائی گئی وہ سامنے کی ہے۔ اس تشبیہ کے ذریعے کردار کی یہ کیفیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ زمین کی طرح سانولا اور سخت بھی ہے۔ لیکن پہلی مثال میں پیراہن کا خانہ بدوشوں کی طرح پھیل جانا، کردار کی ظاہری ہیئت کے ساتھ ساتھ اس کی کیفیت کا بھی بیان کرتی ہے۔ صوفیا کے یہاں رقص درویش کا جو تصور ہے وہ یہ کہ جذب و سرشاری کی کیفیت میں وہ رقص کرنے لگتے ہیں تو ان کا لباس خیمے کی مانند گولائی میں پھیل جاتا ہے۔ اسد صاحب نے افسانے میں کردار کے اسی جذب و سرشاری کی کیفیت کو واضح کرنے کے لیے یہ نادر تشبیہ خلق کی ہے۔

اسی طرح افسانہ جانی میاں سے کردار یا بائی کی ظاہری ہیئت کو روشن کرنے کے لیے خلق کی گئی یہ تشبیہ دیکھیں:

''ریٹا بائی بڑھ گئی اس کا شاہانہ خرام پست درجے کے اس تمام چھچھورے بازاری گرد و پیش میں یوں لگتا تھا جیسے بلبلے اٹھائی کیچڑ پہ زر خالص کی چھوٹ پڑتی ہے۔''(۲۹)

یہ تشبیہ افسانے کے پس منظر سے پوری طرح مربوط ہے۔ اور طوائفوں کے زندگی کی اصل حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ کردار کی ظاہری ہیئت کو واضح کرنے کے لیے اسد صاحب نے تشبیہ، استعارہ اور صفت تینوں کا بیک وقت استعمال کیا ہے، افسانہ جشن کی ایک رات سے یہ مثال دیکھیں:

''اس نے سوچا ایسی شدید بیماری بھی اس پھولوں ڈھکی چٹان کو بہت زیادہ نہ بدل سکی۔ وہی سرخ و سپید رنگت، دور تک اتر جانے والی خدنگ آنکھیں، عقاب کی چونچ کی طرح ناک، ہر وقت جیسے مسکراتے بھرے بھرے ہونٹ، نیش عقرب کی طرح چڑھی ہوئی مونچھیں جن سے ہیبت و دبدبہ ظاہر ہوتا تھا، ساتھ ہی دارالعلوم کے نرم خو عالموں جیسی داڑھی جو مزاج کے تحمل اور خداداد بصیرت کی غمازی کرتی ۔''(۳۰)

بظاہر اس بیان میں اسد صاحب نے شیر شاہ سوری کی ظاہری ہیئت کا خاکہ پیش کیا ہے۔ لیکن کردار کے ظاہر کا بیان کرتے ہوئے سلطان کے لیے پھولوں ڈھکی چٹان کا استعارہ، تشبیہیں اور ان تشبیہوں کے جو صفات استعمال کیے ہیں۔ اس سے کردار کی ظاہری ہیئت کے ساتھ ساتھ شخصیت کی باطنی صفات بھی روشن ہو جاتی ہیں۔

اشیاء کی ظاہری ہیئت و کیفیت کو واضح کرنے کے لیے بھی اسد صاحب نے تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ تشبیہوں کے ذریعے ان اشیاء کی اصل تصویر قاری کے ذہن میں بنتی ہے۔

''جس پر سنگ تراش نے پھول پتیوں کے نقش کچھ اس طرح سے ابھارے تھے کہ لگتا تھا موم سے ڈھال کر نکالے گئے ہیں۔''(۳۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

''ان کے ہاتھوں میں شوخ رنگوں والے ایونائٹ کے نیزے ہیں، جو دور سے پلاسٹک کے کھلونے دکھائی پڑتے ہیں۔''(۳۲)

اسد محمد خاں کے یہاں زیادہ تر تشبیہیں کرداروں کے جذبات وکیفیات میں شدت پیدا کرنے کے لیے یا کسی صورت حال کی کیفیت کو روشن کرنے کی خاطر لائی گئی ہیں۔

''پھر اس آواز میں جو لڑھکتے ہوئے پتھروں جیسی تھی۔''(۳۳)

''حجرے کی اونچی چھت سے ٹکرا کر اس کی آواز اسی کے لاغر بدن پر کنکریوں کی طرح گر رہی ہوں گی۔''(۳۴)

''غول بیابانی بپھرے ہوئے اونٹوں کے گلے کی طرح بلبلاتا، تعزیر سہتے جانداروں کی طرح پکارتا۔''(۳۵)

''بھوک کسی درندے کی طرح بدن کے بیچ بیٹھی اسے جھنجھوڑے ڈالتی تھی۔''(۳۶)

''مظہر میاں اس روز پنجوں کے بل چلتے ہوئے فلیٹ کی دہلیز پار کر گئے جیسے اپنے پیارے کی موت پر خاموشی سے پرسادے کے کوئی نکل جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح۔''(۳۷)

تشبیہات کے ذریعے صورت حال کی کیفیت کو روشن کرنے کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

''اس ھوووم م کے آخری نوٹس، نوٹس نہیں ہوتے۔ چھٹپٹے کے وقت کی طرح غیر یقینی سرحدوں میں گم ہو جاتی ہے۔۔۔

تشبیہوں کی مدد سے اسد صاحب نے قول محال (Paradox) بھی بنائے ہیں:

''اس کا نیند میں پگھلا ہوا بدن یک لخت کسی ساز کے کسے ہوئے تار کی طرح تن گیا اور اب اس کی آواز میں مجھے ریگستانی کٹیلوں کی جھلاہٹ سنائی دی۔''(۳۸)

مذکورہ اقتباس میں اسد صاحب نے نیند میں پگھلے ہوئے بدن کی تشبیہ ساز کے کسے ہوئے تار سے دی ہے اور دوسری تشبیہ میں آواز کو ریگستانی کٹیلوں کی جھلاہٹ کہا ہے۔ یہ دونوں تشبیہ ایک دوسرے سے تضاد پر قائم ہیں، جس سے افسانے میں Paradox بنتا ہے کیونکہ منطقی طور پر ہونا یہ چاہیے تھا کہ ساز کے کسے ہوئے تار سے کوئی سریلی یا میٹھی آواز نکلتی لیکن یہاں بدن کے کہنے سے بدن کی سختی مراد ہے جو غصے کی کیفیت سے ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے کھیلے کی جھلاہٹ بھری آواز کی تشبیہ لائی گئی ہے۔ اس قول محال کے ذریعے افسانہ نگار نے کردار کی اس کیفیت کو پوری شدت سے واضح کر دیا ہے۔

اسد صاحب کے افسانوں میں پیکر تراشی کے بھی نمونے ملتے ہیں۔ وہ پیکروں کے ذریعے صورت حال کو ایک تجسیمی شکل عطا کر دیتے ہیں:

''چار پانچ دن لگاتار ایک ہی رفتار سے ننھی ننھی سوئیوں جیسی پھوہار بھی پڑتی رہے تو یہ پاتراندی اپنی بانہیں اور جانگھیں پھیلا دیتی ہے اور آس پاس کے کھیتوں کو اپنی خواہش کا نشانہ بناتی ہے اور انھیں اپنی کاہل، تیل چپیڑی، آہستہ رو شہوت میں لتھیڑ دیتی ہے اور مجھے بڑی شرم آتی ہے جب میں اس کی بغلوں سے اور پیڑو سے جھانکتے ہوئے سرکنڈوں اور بانسوں کے گیلے جھنڈ دیکھتا ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے اپنے کسی محرم کو؛

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

جس سے کوئی جنسی ربط ممکن نہ ہو، برہنہ ستر دیکھ لیا ہو. پر ساون بھادوں میں جہاں تک نظر ڈالو، یہ بھاری استنوں والی ابلا، کالی مٹی پر اپنی کایا کا بوجھ ڈالے آلس کے ساتھ کروٹیں بدلتی دکھائی دیتی ہے۔"(۳۹)

بارش کے موسم میں ایک چھوٹی ندی میں سیلاب کے منظر کو جنس کے پیکر آمیز زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ پیکر آمیز زبان ندی کو ایک عورت کی جنسی کیفیت کی تقسیم میں منقلب کر دیتی ہے۔ اس سے ندی کے اس منظر کو افسانہ نگار قاری کے ذہن پر پوری طرح مرتسم کر دیتا ہے۔ زبان کا ایسا تخلیقی استعمال، افسانہ نگار کی بے انتہا صلاحیت کا ضامن ہے۔

تشبیہوں کے علاوہ اسد صاحب نے جذبات و کیفیات کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے استعارہ کا بھی استعمال کیا ہے:

"مریم کا دل بہت بڑا تھا اور کیوں نہ ہوتا، اس میں ان کے حجور کا مکہ مدینہ آباد تھا اور سیکڑوں باسودے آباد تھے، جن میں ہزاروں لاکھوں گل گھتنے مرد اپنی گول مٹول مٹھیوں سے مریم کی دودھوں بھری ممتا پر دستک دیتے رہتے تھے۔"(۴۰)

مذکورہ اقتباس میں مکہ مدینہ اور سیکڑوں باسودے دونوں مریم کی بے پناہ محبت کا استعارہ ہیں۔ افسانہ "یوم کپور" سے استعارے کی یہ مثال ملاحظہ ہو:

"ایک قاصد فرخندہ فال نے ہموار زمینوں اور سمندروں جنگلوں کو نوید پہنچائی کہ صدق کا سورج طلوع کی منزلوں میں آگیا ہے۔

"خدائے موسیٰ کی قسم اس قبیلے کے آسماں شکوہ ہاشم خیل میں تو زمینوں اور آسمانوں کے سرور نے ظہور کیا ہے۔"(۴۱)

مذکورہ اقتباس میں دو استعارے، صدق کا سورج اور زمینوں اور آسمانوں کے سرور استعمال کیے گئے ہیں۔ دونوں استعارے نبی کریم کے متعلق ہیں۔ لیکن یہ دونوں استعارے اسلامی تاریخ کے آغاز کو پس منظر میں قائم کرتے ہیں۔ ان استعاروں کی مدد سے یہ پورا بیان اسلام کے آغاز کی علامت بن جاتا ہے۔ اسی طرح افسانہ شہر کوفے کا محض ایک آدمی میں اسد صاحب نے واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین کو استقامت کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

اسد محمد خاں کے ابتدائی افسانوں میں "گھر" سوروں کے حق میں ایک کہانی اور ایک ذلیل سائنس فکشن علامتی طرز میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ ان تینوں افسانوں میں فطری زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے اور سائنس کی ترقی سے اس فطری زندگی میں ہونے والے نقصانات کی وضاحت کی گئی ہے۔ افسانہ گھر میں برگد، ندی اور پرندوں وغیرہ کو فطری زندگی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ افسانہ سوروں کے حق میں ایک کہانی میں بھی پہاڑی اور تالاب کو فطری زندگی کی علامت بنائی ہے۔ ان علامتوں کے ذریعے افسانہ نگار یہ دکھاتا ہے کہ کس طرح انسان اپنی مصنوعی خواہشات کی خاطر قدرتی چیزوں کو مٹاتا جا رہا ہے۔

اسد محمد خاں نے اپنے افسانوں میں تمثیلی پیرائے بیان کا بھی استعمال کیا ہے۔ اردو فکشن میں ابتداء سے ہی تمثیلی طریقہ کار کا استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ تمثیل براہ راست اظہار کے بجائے بالواسطہ طریقہ اظہار ہے۔ فکشن میں تمثیل ایک ادبی تکنیک کے طور پر مستعمل ہے۔ نارتھ روپ فرائی لکھتا ہے:

"ادب کی ایک تکنیک کی حیثیت سے تمثیل فکشن نگاری کی تکنیک ہے۔ کیونکہ تمثیل کے لیے کسی بیانیہ اساس کا ہونا ضروری ہے جب کوئی بیانیہ بالکل صاف طور پر اور مسلسل خیالات و واقعات کے کسی اور لیکن ہم زماں ڈھانچے کی طرف اشارہ کرتا ہوا معلوم ہو، چاہے وہ تاریخی واقعات ہوں یا اخلاقی یا فلسفیانہ خیالات ہوں یا فطری مظاہر ہوں تو تمثیل وجود میں آتی ہے۔ اسطور اور حکایت (Fable) دو ایسی ہیئتیں ہیں جو تمثیل سے قریبی تعلق رکھتی ہیں اور اکثر تمثیل کی ضمن میں استعمال بھی ہوتی ہیں۔"(۴۲)

اسد محمد خان کا افسانہ چاکر مردہ گھر میں مکاشفہ، سرکس کی سادہ سی کہانی اور وقائع نگار تمثیلی پیرائے اظہار کی اچھی کہانیاں ہیں۔

افسانہ چاکڑ میں اسد صاحب نے روح کی ارتقاء کے لیے کی جانے والی محنت کو بنجر زمین میں اناج پیدا کرنے کے لیے کی جانے والی مشقت کی تمثیل میں بیان کیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں افسانے میں ایک دوسرے کے متوازی بیان ہوئی ہیں۔افسانے کا مرکزی کردار فضل علی قحط سالی کے زمانے میں اناج پیدا کرنے کے لیے مسلسل مشقت کرتا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنا کام ہے محنت کرتے رہنا، رزق دینے والا تو اللہ ہے۔ آخر مایوسی کی اس فضا میں فضل علی محنت کرتے رہنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے اور محنت پر اسی اعتماد کے سبب قحط کے زمانے میں بھی فضل علی کے کھیت میں فصل پیدا ہو جاتی ہے۔

اس تمثیل کی روشنی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ روح کی ارتقاء کے لیے بھی انسان کو تاحیات مسلسل محنت کرتے رہنا چاہیے۔

افسانہ ''مردہ گھر میں مکاشفہ'' بھی ایک تمثیلی کہانی ہے۔افسانے میں زندگی کی پسندیدگی اور اس کی توقیر کو مردہ گھر میں موجود لاشوں کے اعضاء کی کالا بازاری کی تمثیل میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح افسانہ سرکس کی سادہ سی کہانی اور وقائع نگار دونوں سیاست کے موضوع پر لکھی گئی تمثیلی کہانیاں ہیں۔ سرکس کی سادہ سی کہانی میں پاکستانی سیاست کی صورت حال کو سرکس کی تمثیل میں بیان کیا گیا ہے۔ مکمل افسانہ سیاسی صورت حال کی تمثیل ہے۔افسانے کے کردار سرکس کا رنگ ماسٹر، پہلوان، آسو بلا اور بونی عورت بیلا جی سرکس دکھانے والوں کی تمثیل میں سیاست داں کا کردار ادا کرتے ہیں اور افسانے کا ایک کردار بادل بلوچی سرکس کا عام سا نوکر عوام کا کردار ادا کرتا ہے۔

اس تمثیل کے ذریعے افسانہ نگار نے یہ دکھایا ہے کہ سیاست داں عوام کو دکھاوے کے طور پر آپس میں نوک جھونک کرتے اور لڑتے رہتے ہیں لیکن یہ تمام لڑائی جھگڑا وقتی ہوتا ہے تاکہ عوام کو یقین دلایا جاسکے کہ ہم ایک دوسرے سے بہتر ہیں۔ پھر بعد میں سب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ کہانی میں تینوں کردار جو سرکس چلاتے ہیں آپس میں جھگڑا کر لیتے ہیں لیکن بعد میں بادل بلوچی بتاتا ہے کہ یہ سب ڈرامہ ہے ہمیشہ سے یہ چلا آرہا ہے تاکہ سرکس میں کام کرنے والوں کو پیسے نہ دینے پڑیں۔افسانے کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''بادل بولا، دوست ادھر بڑا کٹڑکی ہے، بتانے لگا کہ ویسے تو سرکس چل ہی نہیں رہا اور جو تھوڑا بہت آتا ہے تو وہی تینوں مردار آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ ورکروں کو وعدے وعید کے سوا دیتے ہی کچھ نہیں۔ بے زبان جانوروں تک کو بھوکا مار رکھا ہے... سب کو بس آدھے پیٹ ملتا ہے. مرد اور کیا کہتا، اس نے کہا، ان کو مار کے نکالو۔ سرکس تو کبھی لوگ چلاتے ہو۔ بس، چلاتے رہو۔''(۴۳)

اقتباس کے آخری سطر سے افسانے کا بنیادی خیال بالکل واضح ہو جاتا ہے، جو اس تمثیل کا محرک ہوا۔ غرض اسد محمد خاں تخلیقی زبان لکھنے پر غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے موضوعات کو فکر اور حسی تجربات کے میڈیم سے گزار کر موزوں زبان و بیان میں پیش کرتے ہیں۔افسانوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فن افسانہ نگاری پر ان کی گرفت جتنی مضبوط ہے، زبان و بیان پر بھی انہیں اتنی ہی قدرت حاصل ہے۔ وہ لفظوں کی ترتیب، تراکیب، صفات، محاوروں، امثال اور شعری وسائل کے ذریعے بیانیہ کی تشکیل کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن بعض افسانہ نگار اس سے آگے بڑھ کر بیانیہ کی زبان کو ہی اپنے تخلیقی تجربے کا موضوع بنا لیتے ہیں۔ اور یہ ایک مشکل فن ہے، اسد محمد خاں اس کم یاب حلقے کے بہت ممتاز فرد ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ششماہی، رسالہ تنقید، علی گڑھ، ۲۰۱۱ء، ص ۶۴۰

۲۔ قاضی افضال حسین تحریر اساس تنقید ۲۰۰۹ء، ص:۸

۳۔ تحریر اساس تنقید ۲۰۰۹ء، ص:۲۲

۴۔افسانہ سارنگ، مجموعہ غصے کی نئی فصل (مشمولہ) جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء ص:۳۴۹

۵۔افسانہ یوم کپور، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۷

۶۔ایضاً، ص:۸-۷

۷۔افسانہ گھڑی بھر کی رفاقت، مجموعہ برج خموشاں، مشمولہ، جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص:۱۴۶ ۸۔افسانہ جشن کی ایک رات مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص: ۲۷۶

۲۷۳

۹۔افسانہ دشت بے عافیت مشمولہ یادیں گزری صدی کے دوست، ۲۰۱۵ء ص:۴۲

۱۰۔افسانہ نربداء مشمولہ مجموعہ نربدا، ۲۰۱۵ء ص:۶-۴

۱۱۔ایضاً، ص:۲۷ - ۲۵

۱۲۔افسانہ ایک دشت سے گزرتے ہوئے، مشمولہ مجموعہ نربدا ۲۰۱۵ء، ص:۲۳۴-۲۳۱

۱۳۔افسانہ باسودے کی مریم، مشمولہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۱۵-۱۰

۱۴۔افسانہ چاکر، افسانہ برج خموشاں مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء ص:۱۲۶

۱۵۔افسانہ گھس بیٹھیا، مجموعہ برج خموشاں مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء ص:۱۲۴

۱۶۔افسانہ گھس بیٹھیا، مجموعہ برج خموشوں، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص:۱۱۹

۱۷۔افسانہ ایک میٹھے دن کا دانت، مشمولہ مجموعہ نربدا ۲۰۱۵ء، ص:۹۶-۹۵

۱۸۔افسانہ دارالخلافے اور لوگ مشمولہ مجموعہ تیسرے پہر کی کہانیاں، ۲۰۰۶ء، ص:۲۸

۱۹۔افسانہ ہٹلر شیر کا بچہ، مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص:۲۸۹ ۲۰۔افسانہ دارالخلافے اور لوگ مشمولہ، تیسرے پہر کی کہانیاں ۲۰۰۶ء، ص:۱۸

۲۱۔افسانہ ہے للاللا، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان، ۲۰۱۵ء ص:۷۲-۷۱

۲۲۔افسانہ سوروں کے حق میں ایک کہانی، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان، ۲۰۱۵ء، ص:۷۵

۲۳۔افسانہ یوم کپور، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۶

۲۴۔افسانہ دشت بے عافیت مشمولہ مجموعہ یادیں گزری صدی کے دوست، ۲۰۱۵ء، ص:۴۲-۴۱ ۲۴۔افسانہ جشن کی ایک رات مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص۲۷۸ - ۲۷۷

۲۵۔افسانہ یوم کپور، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۷

۲۶۔ایضاً، ص:۷

۲۷۔افسانہ جانی میاں مشمولہ مجموعہ نربدا ۲۰۱۵ء، ص:۱۴۳

۲۸۔افسانہ جشن کی ایک رات، مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء ص:۲۷۶

۲۹۔افسانہ مئی دادا، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۲۶

۳۰۔افسانہ گھر، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۳۳

۳۱۔افسانہ یوم کپور، مشمولہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۷

۳۲۔افسانہ براوو براوو، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۴۸

۳۳۔افسانہ غصے کی نئی فصل، مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص:۲۰۳

۳۴۔افسانہ ایک سنجیدہ ڈی ٹیکٹیو اسٹوری، مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء ص:۳۶۹

۳۵۔افسانہ برجیاں اور مور، مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص:۲۸۶ ۳۶۔افسانہ گھر، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء ص:۳۷-۳۶

۳۷۔افسانہ دارالخلافے اور لوگ مشمولہ مجموعہ تیسرے پہر کی کہانیاں ۲۰۰۶ء، ص:۱۴

۳۸۔افسانہ خفت میں پڑا ہوا مرد، مشمولہ مجموعہ نربدا ۲۰۱۵ء، ص:۲۶۲

۳۹۔افسانہ گھر، مشمولہ مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۳۵

۴۰۔افسانہ باسودے کی مریم، مشمولہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵ء، ص:۱۱

۴۱۔افسانہ یوم کپور، مشمولہ، مجموعہ کھڑکی بھر آسمان ۲۰۱۵، ص:۶

۴۲۔بحوالہ خورشید احمد: جدید اردو افسانہ ہیئت و اسلوب میں تجربات کا تجزیہ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۹۷ء، ص:۱۳۶-۱۳۵

۴۳۔افسانہ سرکس کی سادہ سی کہانی مجموعہ غصے کی نئی فصل، مشمولہ جو کہانیاں لکھیں ۲۰۰۶ء، ص:۴۹ - ۲۴۷